مساجد اور فن معماری

دنیا کے مورخین مستشرقین سیاحوں اور فنکاروں نے اپنی ادبی تخلیقات میں مساجد اور دیگر مقامات مقدسہ کو اہم و قابل قدر جگہ دی ہے۔ مساجد کے سیاسی و اجتماعی مقاصد کیلئے استعمال کے علاوہ اس میں جس فن معماری کو بروئے کار لایا گیا ہے اس کے تمام اجزاء اس معنوی اہمیت کے حامل ہیں جو مجموعی طور پر ایسی علامت بن کر جلوہ نما ہوتے ہیں جسے بجا طور پر اسلامی تمدن کا عالیشان و پرشکوہ نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ اس مقام مقدسہ کا مطالعہ کرتے ہوئے جسے "خانہ خدا" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جب ہم اس کے تاریخی تمدنی و معاشرتی اور معنوی پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ بات نظر انداز نہ کرنی چاہئے کہ مسجد کی عمارت بذات خود تاریخ کا ایسا گوشہ ہے جس سے اسلامی روایتی تہذیب و تمدن کی شان و شوکت نمایاں و درخشاں ہوتی ہے۔

عبادت گاہ کی حیثیت سے مساجد عظیم ترین شہر سے لے کر دور افتادہ ترین دیہات تک میں نظر آتی ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں کہیں مسلمان یکجا ہوئے انہوں نے وہاں اقلیت میں ہونے کے باوجود مسجد کی تعمیر کو مقدم سمجھا تاکہ نماز جیسے فریضے کو وہ پابندی کے ساتھ ادا کر سکیں۔ ان میں سے بہت سی مساجد ایسی بھی تھیں جن میں اسی سادگی کو ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا جو صدر اسلام کی مساجد کا خاصہ تھا اور ان میں سے کسی میں بھی فن معماری کی برجستہ و نمایاں خصوصیت موجود نہ تھی لیکن اس ضمن میں ان ہی مساجد کو مد نظر رکھا گیا ہے جو فن تعمیر کے اعتبار سے کسی خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ چونکہ مسجد کی تعمیر میں صحن' دالان' حجرے وغیرہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لئے یہاں اس میں سے ہر ایک کی جداگانہ وضاحت و تشریح بھی کی گئی ہے۔

عالم اسلام کی پہلی مسجد

جس وقت رسول اکرمؐ مدینہ میں ہمراہ صحابہ وارد ہوئے تو اس وقت شہر کے ہر سربرآوردہ شخص کی یہی خواہش تھی کہ آنحضرتؐ اسی کی سرزمین پر تشریف فرما ہوں۔ اور مال و متاع' ساز و سامان' اشیاء خورد و نوش' اسلحہ جنگ نیز جنگجو سپاہ وغیرہ میں سے جو بھی آپ کو درکار ہوں" اسے آپؐ بے دریغ اسی علاقے سے حاصل کریں۔ مگر آنحضرتؐ نے ان کی کسی بھی پیشکش کو قبول نہیں فرمایا اور آپؐ کس جگہ فرائش ہوں اسے حکم الٰہی کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ آپ کا ناقہ اس زمین پر رک گیا جو دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور اس طرح اس جگہ کا انتخاب بہترین طریقے پر عمل پذیر ہوا جہاں مسجد کا بنایا جانا مقصود تھا۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار مسجد کی تعمیر میں مشغول

ہو گئے۔ اس کے ساتھ آنحضرت ؐ بھی روزانہ کے تمام امور انجام دینے کے بعد مسجد کی تعمیر میں بنفس نفیس ان کی مدد فرماتے۔ چنانچہ ایک دن وہ آیا جب کہ مسجد اور اس سے وابستہ دیگر مکانات بن کر تیار ہو گئے۔

بہت سے اختلافات اور شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔ ماد، ہخامنشی اور ساسانی خاندان کے بادشاہوں کے اس دعوے کو کہ بادشاہی 'حق خداداد' ہے اسلام کے جمہوری نظام نے یکسر باطل قرار دے دیا۔ چنانچہ جدید (بعد از اسلام) اور عہد قدیم (قبل از اسلام) میں اب

ایران میں اسلام سے قبل کے ادوار میں اہم عمارات عبادت گاہوں یا شاہی محلات کی شکل میں موجود تھیں۔ مجموعی طور پر آتشکدے اپنے حدود اربعہ میں نسبتاً چھوٹے ہی ہوتے تھے جس کی وجہ سے بہت سی رسومات کھلی فضا میں ہی انجام دی جاتی تھیں۔

اگرچہ مساجد کی تعمیر ہر جگہ ایک ہی مقصد کے تحت کی گئی یعنی ایک ہی قبلہ، ایک ہی قصد وارادہ اور ایک ہی حکم اور ان میں جو چیزیں مشترک تھیں وہ مصلیٰ، محراب اور مؤذن وغیرہ ہیں لیکن اس اشتراک کے باوجود فن معماری اور آرائش وزیبائش کے اعتبار سے ہر ملک میں ایسی طرز تعمیر وجود میں آئی جو خصوصی اوصاف کی حامل تھی۔ چنانچہ ان میں جو باہمی فرق پایا جاتا ہے اس کی داد ماہرین فن وصاحب نظر فنکار ہی دے سکتے ہیں۔

مدینہ کی اس مسجد کا استعمال، مختلف مقاصد کے لئے کیا جاتا تھا۔ جس میں دینی فرائض انجام دینے کے علاوہ تعلیمی، سیاسی، معاشرتی مسائل اور خاص مواقع پر صلح وجنگ سے متعلق اجتماعات بھی اسی جگہ تشکیل ہوتے تھے۔ آنحضرت کا یہ معمول تھا کہ جس وقت بھی آپ ؐ سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے اور اس کے بعد جو افراد وہاں آتے ان کے ساتھ گفتگو کرتے یا ان کے مسائل کو سلجھانے کی جانب توجہ فرماتے۔

جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کر لیا تو ابتدا میں اس ملک کی سیاسی، اقتصادی اور مذہبی زندگی میں نمایاں طور پر باہمی تضاد نظر آنے لگا۔ کیونکہ نیا دور اپنے قدیم روایات کے مقابل طاقت کے لئے اصول وذرائع اور قوت واقتدار کی نئی اقدار اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ نئے فرائض اور دینی اصول اس امر کے متقاضی تھے کہ نئی جہاں بینی کو بروئے کار لایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمانے سے بعد کے تمام ادوار میں اسلام نے مسلسل ایران کی جدید طرز فکر اور نئی جہاں بینی کی پرورش میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اور اس کار کردگی میں اس وقت کا فن تعمیر پیش پیش رہا کیونکہ اسلام جو حکم نافذ کرتا تھا اور اس کے جو اسباب وعلل ہوتے تھے انہی کی روشنی میں تمام امور انجام دئے جاتے تھے۔

اگرچہ ایسی عبادت گاہیں بھی موجود تھیں جن کا رقبہ کافی وسیع وعریض تھا مگر ان کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ ایسی عبادت گاہوں میں شہر بلخ کا نوبہار (نودہار) قابل ذکر ہے۔ اس کی عمارت اتنے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھی کہ اس کا شمار ایران کی عظیم ترین عمارات میں ہوتا تھا لیکن ایسی عمارت شاذونادر ہی پائی جاتی تھیں۔ نوبہار بلخ کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اپنی شان وشوکت اور عظمت کے اعتبار سے کسی قصر شاہی سے کم نہ تھی۔

اصولی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہخامنشی اور ساسانی خاندانوں کے ادوار میں شہر عام طور پر محلات فصیل شہر، قلعے، حوض، تالاب اور دیگر شاہی مکانات

پر مشتمل ہوتے تھے۔ یہ وہ علامات تھیں جنہیں دیکھ کر حکومت کی ہیبت دلوں پر طاری ہوتی تھی اور اس طرح بادشاہ وقت کی اس طاقت واقتدار کا اندازہ ہوتا تھا جو عوام پر یہ ظاہر کرتا تھا کہ اس زمین پر وہی جانشین خدا ہے۔ چنانچہ آب وخاک سے تعمیر شدہ تخت جمشید اور تیفون نامی شہر محض حاکم وقت کا دار الحکومت ہی نہ تھے بلکہ ان کا شمار ایسے مقدس مقامات میں ہوتا تھا جنہیں بارگاہ الٰہی تصور کیا جاتا تھا۔ اور یہی وہ جگہیں تھیں جہاں عام انسان آسمانی مظاہر قدرت کا مشاہدہ کر سکتے تھے۔

دین اسلام کے فروغ اور اس کی تعلیمات کے تحت اثر پر شکوہ وباعظمت عمارات کے ذریعے تجلی قدرت الٰہی کا جذبہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا اور اب تیفشی وساسانی بادشاہوں کے شاندار محلات کی جگہ یہ مقام مساجد کو حاصل ہو گیا۔ اس عمل میں ان رسومات نے اہم کردار ادا کیا جو بطور دینی فرائض یہاں ادا کی جاتی تھیں کیونکہ یہاں ہر شخص کو مساوی حقوق حاصل تھے۔ تیفشی اور ساسانی بادشاہوں کے محلات چونکہ بادشاہ کی عظمت وجلال کا ایسا مظہر تھے جس کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں کیا جا سکتا تھا اسی لئے ان میں عام آدمی محض خادم بن کر ہی داخل ہو سکتے تھے۔ مگر اس کے برعکس مساجد عوام کی خاطر ہی بنائی گئی تھیں چنانچہ وہ بارگاہ الٰہی میں خود کو بندہ وخادم سمجھ کر ہی حاضر ہوتے تھے۔

پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ہجرت کے بعد پہلی مسجد "قبا" نامی مقام پر تعمیر ہوئی جس کی تمام کیفیت کا ہمیں علم نہیں۔ جب آنحضرتؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو اس کے کچھ عرصہ بعد مہاجرین' انصار اور خود رسول اکرمؐ نے مربع قطعۂ زمین پر جس کا ہر ضلع تقریباً سو ساٹھ گز تھا اینٹوں اور کنکروں سے بنائی شروع کی۔ رسول اکرمؐ کی مسجد کا نقشہ جو شکل میں دالان جیسا تھا تمام اسلامی ممالک میں مسجد سازی کا نمونہ قرار پایا۔ اور اس کے بعد بھی جو مسجد تعمیر کی گئیں وہ بھی شکل وشباہت میں

> مدینہ کی اس مسجد کا استعمال، مختلف مقاصد کے لئے کیا جاتا تھا۔ جس میں دینی فرائض انجام دینے کے علاوہ تعلیمی' سیاسی' ومعاشرتی مسائل اور خاص مواقع پر صلح وجنگ سے متعلق اجتماعات بھی اسی جگہ تشکیل ہوتے تھے۔

اسی مسجد جیسی تھیں۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ شہروں میں جو مسجد پہلی مرتبہ بنی اس میں بھی دالان کا ہی اہتمام کیا گیا تھا اور اس میں ان اینٹوں اور پتھروں کو استعمال کیا گیا تھا جو حیرہ کے ویران شدہ محلات کے ملبے سے حاصل ہوئے تھے اور بقول طبری ان مساجد کا میر عمارت "روزبہ" نامی ایرانی شخص تھا۔

اسلام کے ابتدائی دور یعنی صدر اسلام میں مسلمانوں کے تمام امور ومعاملات میں سادگی وبے آلائش کار فرما تھی' اس لئے مساجد کی تعمیر میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی تھی اور ان میں سے اگر کسی کو اس بات کی اطلاع ہو جاتی کہ اسلامی ممالک میں کہیں بھی عظمت وجاہ طلبی کے لئے کوئی اقدام کیا جا رہا ہے تو اس کا سختی سے سد باب کیا جاتا۔ چنانچہ جب خلیفہ ثانی نے یہ سنا کہ کوفہ میں سعد نے اپنے مکان کی تعمیر میں اس دروازے کا استعمال کیا ہے جو وہاں کے اس محل کے دروازوں میں سے تھا جو اسلام سے قبل ویران ہو چکا تھا اور ان کا مکان عوام میں محل کے نام سے مشہور ہو گیا ہے تو موصوف نے محمد ابن سلمہ کو اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے سعد کے مکان کے دروازے کو نذر آتش کرے اور سعد کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ بیت المال کے نزدیک کسی گھر میں رہائش اختیار کریں اور دار الحکومت کی عمارت پر نہ دروازہ نصب ہو اور نہ ہی اس پر دربان مقرر کیا جائے تاکہ وہاں لوگوں کی آمد ورفت میں درباری آداب ورسوم کا رواج نہ ہو جائے۔

سادگی اور کشادگی کا زمانہ جلد ہی ختم ہو گیا پہلی صدی ہجری کے وسط تک مسلمانوں نے وسیع پیمانے پر فتوحات کیں اور خلافت نے اموی اور عباسی خاندان کے حکمرانوں کے ہاتھوں شہنشاہیت کی شکل اختیار کر لی۔ بازنطینی اور ساسانی عہد کے ایرانی تمدن کے تحت اثر مساجد ومدارس کے نام سے پر شکوہ وجلال عمارات شام' مصر' عراق' ایران' ہندوستان' افریقہ اور مغرب جیسے ممالک (مراقش' تیونس اور اسپین) میں تعمیر کی گئیں۔

مسجد کوفہ ۱۷ھ میں بنائی گئی تھی' اموی خاندان کے اوائل میں اس کی از سر نو تعمیر کی گئی۔ نئی عمارت وسیع دالان اور مرکزی صحن پر مشتمل تھی۔ اس خاندان کے حکمرانوں میں ولید بن عبد الملک نے گزشتہ عہد کی عمارت کی از سر نو تعمیر وتوسیع میں سب سے زیادہ دلچسپی لی۔ چنانچہ اس نے ہی پہلی مرتبہ مسجد مکہ (بیت

اللہ) "مسجد مدینہ (مسجد نبوی) اور دیگر نئی عمارات کی جانب توجہ دی۔ اس عہد میں جو اہم عمارات تعمیر ہوئیں ان میں سے ایک مسجد دمشق ہے' جس پر بے اندازہ رقم خرچ ہوئی اور اس کی شان و شوکت کی جانب پوری توجہ دی گئی۔ ولید بن عبدالملک نے اس مسجد کی تعمیر کے لئے یوحنا کلیسا کا کچھ عماراتی سامان بھی استعمال کیا۔ چنانچہ اس کا یہ اقدام تاریخ کا ایسا واقعہ تھا جس میں اہل کتاب کی عمارت کی بے حرمتی کی گئی تھی۔ جس وقت مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی اور اخراجات کے کاغذات خلیفہ نے طلب کئے تو انہیں ستر ہ اونٹوں پر لاد کر لے جایا گیا تھا۔

وسیع پیمانے پر ایسی عمارات کے رواج سے فن معماری کا ترقی پذیر ہونا فطری امر تھا۔ چنانچہ ہر اسلامی ملک میں مساجد' مقابر اور دیگر مقامات مقدسہ کی تعمیر میں مخصوص طرز تعمیر منظر عام پر آنے لگی اگرچہ مساجد کی تعمیر ہر جگہ ایک ہی مقصد کے تحت کی گئی یعنی ایک ہی قبلہ' ایک ہی قصد وارادہ اور ایک ہی حکم اور ان میں جو چیزیں مشترک تھیں وہ مصلیٰ' محراب اور موذن وغیرہ ہیں لیکن اس اشتراک کے باوجود فن معماری اور آرائش وزیبائش کے اعتبار سے ہر ملک میں ایسی طرز تعمیر وجود میں آئی جو خصوصی اوصاف کی حامل تھی۔ چنانچہ ان میں جو باہمی فرق پایا جاتا ہے اس کی داد ماہرین فن وصاحب نظر فنکار ہی دے سکتے ہیں۔

فن معماری کی یہ خصوصیات ایران کی مساجد میں بیشتر نمایاں ہیں اور مقامات مقدسہ کی تعمیر میں جو اختراعات کی گئی ہیں ان میں یہی ملک پیش پیش نظر آتا ہے۔

خلفائے بنی عباس نے ایرانیوں کی مدد سے اقتدار حاصل کیا اور مملکت اسلامیہ کا پائیتخت عالم اسلام کے مشرق یعنی نوبنیاد شہر بغداد میں منتقل ہوگیا۔ اگرچہ اس دور میں مساجد کی تعمیر تو کثرت سے ہوئی مگر داخلی جنگوں' مغلوں اور دستبرد زمانہ کے بعد ان میں سے چند ہی باقی بچ سکیں۔ اس دور کی مساجد میں سے ایک مسجد "المتوکل" شہر سامرہ میں تھی جو مستطیل زمین پر بنائی گئی تھی جس کا طول تقریباً دو سو ساٹھ گز اور عرض ایک سو اسی گز تھا۔ اور اس میں تقریباً ایک لاکھ آدمی ایک ساتھ نماز ادا کر سکتے تھے۔

جب ایرانیوں کا اثر ورسوخ خلافت عباسیہ کے تمام شعبوں ومعاملات اور اسلامی ممالک کے تمام امور میں نمایاں ہونے لگا تو اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ایک طرف تو خلفائے بنی عباس کی توجہ ترک غلاموں کی جانب مرکوز ہونے لگی اور دوسری طرف ایران میں ریاستی سطح پر نسبی آزادی کا آغاز ہوا جس کے باعث بالآخر طاہری' صفاری' سامانی اور آل بویہ خاندانوں کی قومی حکومت کی تشکیل کے اسباب نمایاں ہونے لگے۔ ان خاندانوں کے تمام حکمرانوں کے پیش نظر ہمیشہ ساسانی بادشاہوں کی شان و شوکت رہتی تھی چنانچہ زندگی کے مختلف شعبوں میں وہ اسی خاندان کے نقش قدم پر چلتے اور انہیں ہی اپنے لئے مثالی فرمانروا تصور کرتے' ساسانی خاندان کی پیروی میں فن معماری بھی کسی سے کم نہ رہا۔ چنانچہ مساجد کے علاوہ شہری زندگی کی دیگر عمارات کی تعمیر میں بھی پرشکوہ وجلال عہد ماضی کی ہی تقلید کی گئی' اور اس طرح مفتوحہ ممالک کی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کی اسلامی قوانین کی آمیزش سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسا تمدن منظر عام پر آنے لگا جس پر اسلامی رنگ غالب تھا اور اس طرح اسلامی فنون لطیفہ نے نئی شکل اختیار کی' لیکن اسلامی ممالک کی سیاسی وحدت ختم ہوجانے کے بعد فن معماری نے اپنی پیشرفت کے لئے نئی راہ اختیار کی اور ہر قوم نے اپنی میل ورجحان کے مطابق اس کی توسیع وترقی میں حصہ لیا۔ اور اس طرح اسلامی فنون لطیفہ کے مختلف مکتب' عالم وجود میں آئے۔

مدینہ میں مسجد نبوی جو پیغمبر اکرم کی پسندیدہ طرز کے مطابق تعمیر کی گئی تھی اس کے بارے میں ہمیں بخوبی اندازہ ہوگیا ہے اور اس کی تمام کیفیت کے بارے میں ہمیں واقفیت حاصل ہوگئی ہے۔ اب ہم یہاں یہ جاننا چاہیں گے کہ اس وقت اور بعد کے ادوار میں فن معماری کے کیا مفاہیم کار فرما ہے (یہاں اس مقصد سے بحث نہیں کہ یہ مفاہیم درست تھے یا غلط) بہر صورت مسجد النبیؐ کافی عرصے تک مساجد کی تعمیر میں مثال بنی رہی اور تمام اسلامی ممالک میں معمار وفن کار اس کی پیروی کرتے رہے یہ تقلید صرف انہی مناطق میں نہ ہوئی جن کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ وہاں فن معماری کے قابل قدر آثار موجود نہ تھے بلکہ ان علاقوں میں ان معماروں نے بھی جو وہاں تازہ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے فن تعمیر کی تاریخ سے پوری طرح واقف ہونے کے علاوہ انہیں اس فن کا گہرا تجربہ بھی تھا وہ مسجد نبوی کو ہی نمونہ ومثال بناتے رہے۔

☆ ☆ ☆